بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنسانیت اور تکمیلِ اِنسانیت

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور جس نے درجات کو عابدوں کے لئے اور مراتب قرب کو عارفوں کے لئے محفوظ فرمایا ہے اور بے حد و بے حساب اور لامحدود درود و سلام ہوں سرورِ دو عالم، حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ جمال سے پیدا فرمایا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں فرمانِ الٰہی ہے:۔ "خَلَقْتُ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِّنْ نُّوْرِ وَجْھِیْ" ترجمہ:۔ "میں نے روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے چہرے کے نور سے پیدا کیا ہے۔" اور درود و سلام ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل پر، آپ کے اصحاب پر، آپ کی ازواجِ مطہرات پر اور آپ کے اہل بیت پر کہ یہ سب ہدایت نما ستارے ہیں جن کی اقتدا کرنے والا نورِ نبوت کے فیض سے نوازا جاتا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے:۔ "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ" ترجمہ:۔ "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

اما بعد! واضح ہو کہ اس برباد ہونے والی کمینی دنیا میں نہ تو ہم دائمی قیام کے لئے آئے ہیں اور نہ محض کھانے پینے اور خبیث نفس کی لذات و خواہشات پر قناعت کرنے کے لئے بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب و وصال کی نعمتِ عظمیٰ سمیٹنے کے لئے آئے ہیں جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:۔ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ

اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" (پارہ ۲۷، الذاریات ۵۶) ترجمہ:-" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" عارفوں کے نزدیک عبادت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا قرب و وصال اور عشق و محبت یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں فقط اپنے قرب و وصال کے لئے پیدا کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا قرب و وصال اُس کی معرفت و پہچان کے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے:-"مَنْ لَّمْ يَعْرِفْهُ كَيْفَ يَعْبُدُهُ" ترجمہ:-"جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہی نہیں وہ اُس کی عبادت کس طرح کرسکتا ہے۔؟" غرض ہماری اوّلین ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پہچان کی کنجی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کی پہچان حاصل کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:-" مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" ترجمہ:-"جس نے اپنی ذات کو پہچانا بے شک اُس نے اپنے رب کو پہچانا۔"

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی تُو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

اِس حدیثِ پاک کی شرح کرتے ہوئے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-"اے اِنسان! تجھ سے قریب ترین اگر کوئی چیز ہے تو تیری اپنی ہی ذات ہے اس لئے اگر تُو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو کسی دوسرے کو کیوں کر پہچان سکے گا؟ فقط یہ جان لینا کہ "یہ میرے ہاتھ ہیں، یہ میرے پاؤں ہیں، یہ میری ہڈیاں ہیں اور یہ میرا جسم ہے۔" اپنی ذات کی شناخت تو نہیں ہے، اتنی شناخت تو اپنے لئے دیگر جانور بھی رکھتے ہیں یا فقط یہ جان لینا کہ بھوک پیاس لگے تو کھا پی لیا جائے، غصہ آئے تو لڑ جھگڑ لیا جائے، شہوت غلبہ کرے تو جماع کر لیا جائے۔ یہ تمام باتیں تو جانوروں میں بھی

تیرے برابر ہیں پھر تُو اُن سے اشرف و افضل کیوں کر ہوا؟ تیری ذات کی معرفت و پہچان کا تقاضا یہ ہے کہ تُو جانے کہ تُو خود کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اور جو تُو آیا ہی ہے تو کس کام کے لئے آیا ہے؟ تجھے پیدا کیا گیا ہے تو کس غرض کے لئے پیدا کیا گیا؟ تیری نیک بختی و سعادت کیا ہے اور کس چیز میں ہے؟ اور یہ صفات جو تیرے اندر جمع کر دی گئی ہیں جن میں سے بعض حیوانی ہیں، بعض وحوش اور درندوں کی ہیں، بعض شیطانی، بعض جناتی اور بعض ملکوتی ہیں، تو ذرا غور تو کر کہ تُو اِن میں سے کون سی صفات کا حامل ہے؟ تُو اِن میں سے کون ہے؟ تیری حقیقت اِن میں سے کس کے قریب تر ہے؟ اور وہ کون کون سی صفات ہیں جن کی حیثیت تیرے باطن میں غریب و اجنبی اور عارضی ہے؟ جب تک تُو اِن حقائق کو نہیں پہچانے گا، اپنی ذات کی شناخت سے محروم رہے گا اور اپنی نیک بختی و سعادت کا طلب گار نہیں بنے گا کیونکہ اِن میں سے ہر ایک کی غذا علیحدہ علیحدہ ہے اور سعادت بھی الگ الگ ہے۔ چوپایوں کی غذا اور سعادت یہ ہے کہ کھائیں پئیں، سوئیں اور مجامعت میں مشغول رہیں، اگر تُو بھی یہی کچھ ہے تو دن رات اِسی کوشش میں لگا رہ کہ تیرا پیٹ بھرتا رہے اور تیری شہوت کی تسکین ہوتی رہے۔ درندوں کی غذا اور سعادت لڑنے بھڑنے، مرنے مارنے اور غیظ وغضب میں ہے، شیطانوں کی غذا اور سعادت شر انگیزی اور مکر و حیلہ سازی میں ہے اگر تُو اُن میں سے ہے تو اُن ہی جیسے مشاغل اختیار کر لے تا کہ تُو اپنی مطلوبہ راحت و نیک بختی حاصل کر لے۔ فرشتوں کی غذا اور سعادت ذکر و تسبیح و طواف میں ہے جب کہ انسان کی غذا و سعادت قربِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ جمال کا مشاہدہ ہے۔ اگر تُو انسان ہے تو کوشش کر کہ تُو ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچان سکے اور اُس کے انوارِ جمال کا

مشاہدہ کر سکے اور اپنے آپ کو غصہ اور شہوت کے ہاتھ سے رہائی دلا سکے اور تُو طلب کرے تو اُس ذاتِ یکتا کو کرے تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے اندر ان حیوانی و بہیمی صفات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور تجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ پیدا کرنے والے نے ان صفات کو تیرے اندر جو پیدا کیا ہے تو کیا اس لئے کہ یہ تجھے اپنا اسیر بنالیں اور تجھ پر غلبہ حاصل کر کے خود فاتح بن جائیں؟ یا اس لئے کہ تُو ان کو اپنا اسیر و مسخر بنالے اور خود ان پر غالب آ جائے اور ان اسیروں اور مفتوحین میں سے کسی کو اپنے سفر کا گھوڑا بنالے اور کسی کو اپنا اسلحہ بنالے تا کہ یہ چند دن جو تجھے اس منزل گاہِ فانی میں گزارنا ہیں ان میں اپنے ان غلاموں سے کام لے کر اپنی سعادت کا بیج حاصل کر سکے اور جب سعادت کا بیج تیرے ہاتھ آ جائے تو ان کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اپنی اُس قرار گاہِ سعادت میں داخل ہو سکے جسے خواص کی زبان میں "حضورِ حق" کہا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں تیرے جاننے کی ہیں۔ جس نے ان کو نہ جانا وہ راہِ دین سے دور رہا اور لامحالہ دین کی حقیقت سے حجاب میں رہا۔" (ترجمہ و تلخیص کیمیائے سعادت) یاد رہے کہ دین کے معنی ہیں "جوہرِ انسانی کی شناخت اور اُس کی تکمیل" یعنی مرتبۂ انسان کی پہچان اور اُس کے حصول کا نام دین ہے۔ دوسرے الفاظ میں خود شناسی و خود بینی و خود یابی کا نام دین ہے اور خود شناسی یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو چیزوں سے عمل میں لائی گئی ہے۔ ایک چیز تو ظاہری وجود ہے جسے جسم یا تن بھی کہتے ہیں اور جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا اور ہاتھوں سے چھوا بھی جا سکتا ہے اور دوسری چیز باطن ہے جسے نفس یا جان یا دل کہتے ہیں۔ اُسے نہ تو ظاہری آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ظاہری ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے، اُسے صرف باطن ہی کی آنکھ

سے دیکھا بھالا جاسکتا ہے۔ عارفوں کی اِصطلاح میں اِنسان کے اُس باطن اور اصلی وجود کو دل کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دل گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں ہے جو سینے کے اندر بائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ گوشت کا یہ لوتھڑا تو جانوروں اور مُردوں کے سینے میں بھی موجود ہوتا ہے اور ظاہری آنکھ سے اُسے دیکھا بھی جاسکتا ہے اور جس چیز کو ظاہری آنکھ دیکھ سکے اُس کا تعلق اِسی ظاہری دنیا سے ہے جسے بہر حال فنا ہونا ہے لیکن حقیقتِ دل کا تعلق اِس ظاہری جہاں سے ہر گز نہیں بلکہ اُس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے، اُس سے یہ ظاہری جسم چھن بھی جائے تو اُس کا قائم رہنا روا ہے کہ اُسے فنا نہیں۔ معرفتِ الٰہی اور جمالِ خداوندی کا مشاہدہ اُس کی خاص صفت ہے، عبادت کا حکم اُسی کو ہے، ثواب و عذاب اُسی کے لئے ہے، سعادت و شقاوت اُسی کا مقدر ہے اور اُسی کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہی معرفتِ الٰہی کی چابی ہے اور یہی دین کی حقیقت ہے۔

دین کی اِسی حقیقت سے آگاہی کے لئے صوفیائے کرام ابتدائے خلق پر نظر ڈالتے آئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحِ اَقدس کو اپنے نورِ جمال سے ظاہر فرمایا۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ "خَلَقْتُ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِنْ نُوْرِ وَجْهِیْ" ترجمہ:۔ "میں نے روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے چہرے کے نور سے پیدا فرمایا۔" پھر روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تمام ارواح کو احسن صورت پر ظاہر فرما کر اپنے قرب کے مقام لاہوت کو اُن کا اصلی وطن بنا کر اُس میں اُنہیں رکھا۔ عالمِ لاہوت میں روح کا نام روحِ قدسی رکھا۔ ارواحِ قدسیہ کو چار ہزار سال تک اپنے بے حجاب قربِ خاص "لاھوت" میں رکھا جہاں اُنہیں

اللہ تعالیٰ سے محبت ہوئی۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ نے ارواحِ قدسیہ سے سوال کیا" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" ترجمہ" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ "اور ارواح نے بیک زبان "بَلٰی " کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ سوال و اقرار معرفتِ ذاتِ الٰہی سے متعلق ہے۔ جب ارواحِ قدسیہ نے ذاتِ الٰہی کی معرفت کا اقرار کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں صفاتِ الٰہی کی معرفت سے بہرہ ور ہونے کے لئے " کُنْ " فرما کر انسان کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے مخلوق کے اٹھارہ ہزار عالم کے تین طبقات جبروت، ملکوت اور ناسوت پیدا فرمائے۔ مخلوق کے یہ تینوں طبقات دراصل صفاتِ الٰہی کا ظہور ہے اِس لئے اِن تینوں طبقات کی طیر سیر اور مشاہدہ دراصل صفاتِ الٰہی کی معرفت کا مشاہدہ ہے۔ طبقاتِ خلق کے ظہور کے بعد ارواحِ قدسیہ کو اِن طبقات کے مشاہدے کے لئے نزول کا حکم ہوا تو روحِ قدسی کو جبروت میں داخل ہونے کے لئے نورِ جبروت کا لباس پہنایا گیا تا کہ جبروت روحِ قدسی (اصلی اِنسان) کے نور سے جل نہ جائے کیونکہ جبروت میں روحِ قدسی کے انوار برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ معراج کی رات سدرۃ المنتہٰی کے مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھنے سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ اگر میں سرِ انگشت کے برابر بھی آگے بڑھا تو نورِ لاہوت سے جل جاؤں گا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نورِ جبروت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ روحِ قدسی نورِ جبروت کا پہلا بشری لباس پہن کر عالمِ جبروت میں داخل ہوئی تو یہاں اُس کا نام روحِ سلطانی رکھا گیا۔ عالمِ جبروت میں طیر سیر اور مشاہدہ کر کے جب اُس نے اللہ تعالیٰ کی جبروتی صفات کی معرفت حاصل کرلی تو اُسے عالمِ جبروت سے نکل کر عالمِ

ملکوت میں داخلے کا حکم ہوا اور اُسے نورِ ملکوت کا دوسرا بشری لباس پہنایا گیا جس کی بدولت اُسے ملکوت میں داخلہ نصیب ہوا۔ یہاں اُسے روحِ سیرانی کا نام عطا ہوا۔ ملکوت کی طیر سیر اور مشاہدہ کر کے اُس نے اللہ تعالیٰ کی ملکوتی صفات کی معرفت حاصل کی۔ اِس کے بعد اُسے نورِ ناسوت کا تیسرا بشری لباس پہنا کر عالمِ ناسوت میں اتارا گیا "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ" (پھر ہم نے اُسے سب سے نچلے درجے میں لا اتارا) تاکہ یہاں وہ اللہ تعالیٰ کی ناسوتی آیات (نشانیوں) کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی صفاتی معرفت کی تکمیل کر لے۔ یہاں اُس کا نام روحِ جسمانی رکھا گیا اور اُس کی بدولت وہ یہاں حیوانِ ناطق کہلایا۔

اِس طرح اِنسان نزول کرتا ہوا جو مختلف منازل طے کر کے اِس موجودہ جہان عالمِ ناسوت میں آ پہنچا ہے تو یہاں اُسے مستقل قیام نہیں کرنا بلکہ آیاتِ الٰہی کے انوار میں تیرتے ہوئے اُسے واپس لاھوت میں اللہ تعالیٰ کا مقرب بن کر عشقِ الٰہی کی دائمی نعمت سے سرفراز ہونا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:۔ "ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ" (پھر تمہیں لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے)۔ یعنی پہلے اِنسان نے نزول کیا اور اب اُسے عروج کرنا ہے اور وہ بھی اُنہی دیکھی بھالی راہوں سے گزر کر۔ جوں جوں اِنسان عروج کرتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیاں واضح سے واضح تر ہوتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ جب اِنسان خلق کی حدوں کو توڑ کر توحیدِ حق تعالیٰ سے ہمکنار ہو جاتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے:۔ "اب مَیں نے اپنے رب کو پا کر اپنا مقصود حاصل کر لیا ہے" جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔ "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" (پارہ ۲۵ حم السجدہ ۵۳) ترجمہ:۔ "ہم اپنے قرب کے طالبوں کو دکھاتے جاتے

ہیں اپنی (معرفت و پہچان کی) نشانیاں آفاق (اِس جہان) میں بھی اور عالمِ انفس (عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت، عالمِ لاھوت، عالمِ یاھوت اور عالمِ ہاھوت) میں بھی حتیٰ کہ (ذاتِ حق کی حقیقت اُن پر کھل کر واضح ہو جاتی ہے اور) وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ یہی ہے ذاتِ حق۔" مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کے چار وجود ہیں، (۱) ناسوتی وجود یعنی موجودہ جسمانی وجود، (۲) ملکوتی وجود، (۳) جبروتی وجود اور (۴) لاہوتی وجود۔ ان چاروں میں سے پہلے تین وجودوں کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور یہ تینوں فانی ہیں اور ان میں معرفتِ صفاتِ الٰہیہ سے فیض یاب ہونے کی استعداد وصلاحیت موجود ہے جب کہ چوتھے لاہوتی وجود کا تعلق عالمِ خلق سے نہیں بلکہ عالمِ امر (عالمِ لاھوت) سے ہے اور یہ غیر فانی ہے اور اس میں ذاتِ الٰہیہ کی معرفت سے فیض یاب ہونے کی صلاحیت واستعداد موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے قرب کے حصول کے لئے ان چاروں وجودوں کی تعلیم وتربیت کے لئے علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر ہے۔ حیوانی ناسوتی وجود کی تعلیم وتربیت کے لئے علمِ شریعت اور اعمالِ شریعت کا نصاب ہے جس کی تدریس علمائے ظاہر کے ذمہ ہے۔ علمِ شریعت اور اعمالِ شریعت اختیار کیے بغیر ظاہری ناسوتی وجود اپنی سعادت وکامیابی سے محروم رہ جاتا ہے اور آخرت کے ابدی انعام جنت الماویٰ تک نہیں پہنچ پاتا کیوں کہ جنت الماویٰ اعمالِ شریعت کا ثمرہ ہے اور یہ جنت عالمِ ناسوت کا پرتو ہے۔ ملکوتی وجود کی تعلیم وتربیت کا نصاب " علمِ طریقت " ہے یعنی کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس کے احکام وفرامین پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہونا۔ اعمالِ طریقت سے اُس ملکوتی وجود کی نمو ہوتی ہے جو عالمِ ملکوت میں پہنچ کر صفاتِ الٰہیہ کے ملکوتی انوار سے فیض یاب ہو کر

وہاں کے ثمر "جنت النعیم" سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اعمالِ طریقت اختیار کیے بغیر جنت النعیم کا حصول قطعاً ناممکن ہے۔ جبروتی وجود کی تعلیم و تربیت کے نصاب کا نام علمِ معرفت اور اعمالِ معرفت ہے، اِس نصاب کی تدریس بھی شیخ کامل کے ذمہ ہے۔ اعمالِ معرفت اختیار کر کے اِنسان عالمِ جبروت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی جبروتی صفات کی معرفت حاصل کرتا ہے اور تقدیرِ الٰہیہ کو سمجھ کر اُس کی موافقت اختیار کر کے تسلیم و رضا کا رویہ اپناتا ہے جس کا ثمر اُسے "جنت الفردوس" کی صورت میں میسر آتا ہے۔ علمِ معرفت اور اعمالِ معرفت اختیار کیے بغیر "جنت الفردوس" تک رسائی قطعاً ناممکن ہے۔ گویا اِنسان کی مکمل کامیابی کا گُر یہ ہے کہ پہلے وہ اعمالِ شریعت کو اپنائے اور اِس کے ساتھ ساتھ اعمالِ طریقت اختیار کر کے ظاہری وجود کی نفی کرے تاکہ اُس کا ملکوتی وجود ظاہر ہو کر عالمِ ناسوت سے نکل کر عالمِ ملکوت میں واپس پہنچے۔ عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اعمالِ معرفت اختیار کرے تاکہ اُس کے ملکوتی وجود کی بھی نفی ہو جائے اور اُس کا جبروتی وجود ظاہر ہو کر عالمِ جبروت میں واپس پہنچے۔ لاھوتی وجود کی تعلیم و تربیت کے نصاب کا نام علمِ حقیقت اور اعمالِ حقیقت ہے اور اُس کی تدریس بھی شیخ کامل کے ذمہ ہے۔ علمِ حقیقت اور اعمالِ حقیقت اختیار کرنے سے جبروتی وجود کی نفی ہو جاتی ہے اور اِنسان بشریت کی قید سے نکل کر عالمِ امر کی قدوسی صورت میں عالمِ خلق کی تینوں قوسوں (ناسوت، ملکوت، جبروت) کو توڑتا ہوا اللہ تعالیٰ کے مقامِ قرب یعنی عالمِ لاھوت کی جنت میں داخل ہو جاتا ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:-

"اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّةً لَا فِیْھَا حُوْرٌ وَّ لَا قُصُوْرٌ وَّ لَا عَسَلٌ وَّ لَا لَبَنٌ بَلْ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی وَجْہِ اللّٰہِ" ترجمہ:- "تحقیق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی جنت بھی ہے جس

میں حور و قصور ہیں نہ شہد و دودھ ہے بلکہ اُس میں ذاتِ حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔'' یہاں پہنچ کر وہ مخلص بن جاتا ہے اور نفس و شیطان و حبِ دنیا کے شر سے خلاصی پا جاتا ہے کیوں کہ عالمِ لاہوت میں مخلوق داخل نہیں ہو سکتی اور اِنسان کے اِسی مرتبۂ اخلاص کے متعلق شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا تھا:۔ '' فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ '' (پارہ ۲۳، ص ۸۲تا۸۳) ترجمہ:۔'' الٰہی! تیری عزت کی قسم میں ضرور اِن سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے اُن بندوں کے جو اِن میں سے مخلص ہو جائیں گے۔'' اِنسان کا یہی وہ مقام '' لَا تَخَفْ '' ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔'' اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ '' (پارہ ۱۱، یونس ۶۲) ترجمہ:۔'' خبردار! بے شک اولیائے اللہ پر کچھ خوف ہے نہ غم۔'' اور یہی وہ '' مقامِ قدس '' ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔'' وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ '' ترجمہ:۔''اور ہم نے روحِ قدسی سے اُس کی مدد کی۔'' اِنسان کی اِسی نورانی حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ '' قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ '' (پارہ ۱۵، بنی اسرائیل ۸۵) ترجمہ:۔''محبوب! آپ فرما دیں کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔'' (یہ عالمِ خلق میں سے نہیں جو تمہاری سمجھ میں آ جائے) اور اِنسان کی اِسی حیثیت کے متعلق فرمایا ہے:۔'' اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً '' (پارہ ۱، البقرہ ۳۰) ترجمہ:۔''بے شک مَیں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' اور یہی اِنسان کی وہ روحِ قدسی ہے جس کو اپنا راز قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے:۔'' اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ '' ترجمہ:۔'' اِنسان میرا راز ہے اور مَیں اِنسان کا راز ہوں۔'' اِنسان کی اِسی نورانی حالت (روحِ قدسی) کو اللہ

تعالٰی نے اپنی روح قرار دے کر فرمایا:-" وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ " (پارہ ۲۳،ص ۷۲) ترجمہ :-" اور مَیں نے اِس میں اپنی روح پھونکی۔ " اور اِسی حالت کو صوفیائے کرام نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے مثال کے طور پر سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:-

" کُنْ فَيَكُوْنُ " تے کل دی گل اے، اساں پہلے دی پریت لگائی"

سیّدنا سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

''کُنْ فَيَكُوْنَ'' جدوں فرمایا اساں وی کولے ہاسے ھُو
ہکے ہاسے ذات ربے دی ہکے جگ وچ ڈھونڈ رہاسے ھُو
ہکے آہی لامکان اساڈا ہکے آن بتاں وچ پھاسے ھُو
نفس پلیت، پلیت چا کیتا باھُو کوئی اصل پلیت تاں ناسے ھُو

مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان اِس دنیا میں تربیت کے یہ چاروں کورس یعنی شریعت طریقت، معرفت اور حقیقت عملی طور پر کسی باعمل شیخِ کامل مکمل اکمل کی نگرانی میں مکمل نہیں کر لیتا اُس وقت تک اپنے مقصدِ حیات کو نہیں پا سکتا اور وہ ناکام رہتا ہے کیونکہ کامل شریعت کی مکمل پیروی کے بغیر اِنسان کبھی فلاح یافتہ نہیں ہو سکتا اور کامل شریعت کی تعریف (definition) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمائی ہے:-" اَلشَّرِيْعَةُ شَجَرَةٌ وَّالطَّرِيْقَةُ اَغْصَانُهَا وَالْمَعْرِفَةُ اَوْرَاقُهَا وَالْحَقِيْقَةُ ثَمَرُهَا وَالْقُرْاٰنُ جَامِعٌ جَمِيْعِهَا " ترجمہ:-" شریعت ایک درخت ہے اور طریقت اُس کی ٹہنیاں ہیں، معرفت اُس کے پتے ہیں، حقیقت اُس کا پھل ہے اور قرآن اِن سب کا جامع ہے "یعنی سب چیزیں قرآن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ شریعت کی اِسی

تعریف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:-

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

یعنی انسان جب شریعت (قہاری)، طریقت (غفاری)، معرفت (جبروت) اور حقیقت (قدوسی) کے چاروں نصاب تربیت مکمل کر لیتا ہے تو تب مسلمان بنتا ہے۔ ان چاروں علوم کے بغیر انسان نفس کے بہکاوے سے ہرگز نہیں بچ سکتا کیونکہ شریعت کے دائرے میں نفس اوامر و نواہی (اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی ممنوعہ باتوں) کی مخالفت کرنے پر انسان کو آمادہ کرتا ہے، طریقت کے دائرے میں نفس دینی موافقت کے پردے میں دھوکہ دے کر گمراہ کرتا ہے یعنی نفس بظاہر دینی امور کی انجام دہی میں اِس انداز سے موافقت کرتا ہے کہ اِنسان دین کے کام کرتے ہوئے بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ دائرۂ طریقت میں نفس نبوت و ولایت کا دعویٰ کرنے پر اُکساتا ہے، معرفت کے دائرے میں نورانیت کی بنا پر نفس دھوکہ دے کر شرکِ خفی میں مبتلا کر دیتا ہے اور اِنسان کو ربوبیت کا دعویٰ کرنے پر مائل کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے:-" اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ" (پارہ ۲۵، الجاثیہ ۲۳) ترجمہ:-" محبوب! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔" مگر دائرۂ حقیقت میں شیطان، نفس، ملائکہ اور مخلوق کے دیگر افراد داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ اِس دائرے میں غیر ماسویٰ اللہ جل جاتا ہے۔ اِنسان جب دائرۂ حقیقت (عالمِ لاہوت) میں داخل ہوتا ہے تو اُس کی تمام بشری صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ " مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا " (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کا مصداق بن جاتا ہے اِس لئے وہ قربِ ذاتِ الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے چونکہ صفاتِ بشری میں غیریت کا مادہ ہے اِس

لئے انہیں تجلیٔ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا فنا حاصل نہیں ہو سکتی اور معرفتِ ذات کے بغیر نادانی کا پردہ نہیں اُٹھ سکتا۔ مقامِ حقیقت میں اللہ تعالیٰ خود بندہ کو بلا واسطۂ غیر علمِ لدنی کی تعلیم فرماتا ہے اور بندہ خضر علیہ السلام کی طرح اللہ پاک کو اُس کی تعریف سے پہچانتا ہے اور اُسی ہی کی تعلیم سے اس کی عبادت کرتا ہے۔ اِس مقام پر وہ ارواحِ قدسیہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اُسے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مرتبۂ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے واقف ہو جاتا ہے اور تمام انبیائے کرام اُسے وصالِ ابدی کی بشارت دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عالمِ لاہوت میں مرشد کامل اکمل مکمل کی زیرِ نگرانی جب بندہ اعمالِ حقیقت اختیار کرتا ہے تو وہ عالمِ لاھوت سے آگے بڑھ کر عالمِ "یاھوت" میں داخل ہوتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُن انوار کا عالم ہے جو ذاتِ الٰہی سے سب سے پہلے ظاہر ہوئے اور جس کے متعلق سیّدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔ "سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا ہوا۔" عالمِ یاھوت میں داخلہ فنا فی الرسول کا مرتبہ ہے۔ اِس مقام پر پہنچ کر ہی طالب اللہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے اپنے ہی دستِ شفقت سے توحیدِ ذاتِ باری تعالیٰ کے دریائے ژرف (عالمِ ہاھویت) میں غوطہ دے کر مقامِ توحید پر پہنچاتے ہیں۔ یہاں وہ موحد بن کر پکار اُٹھتا ہے:۔

مٹا دیا میرے ساقی نے عالمِ من وتُو   پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا ھُوْ

یعنی یہاں اُسے اپنی ذات کا اتہ پتہ بھی نہیں رہتا بلکہ اللہ ہی اللہ دکھائی دیتا ہے۔ عارف باللہ حضرات عالمِ لاھوت میں قربِ الٰہی سے کم کسی مرتبے کو خاطر میں

نہیں لاتے۔ اُن کے نزدیک عالمِ ناسوت سے لے کر عالمِ جبروت کی آخری حد سدرۃ المنتہیٰ تک کے تمام مقامات و درجات محض کھیل تماشہ اور بازی گری ہے کہ اُن کا تعلق محض خلق سے ہے۔ یہ مقامات و درجات خالق سے بہت دوری پر ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔(۱) ''قربِ الٰہی اور بندے کے درمیان تہتر کروڑ اسی لاکھ اکتیس مراتب ہیں جن میں سے سب سے بالائی مرتبہ سرّ الامی ہے، اُس سے آگے لامکان ہے لیکن ایک فقیر کی نظر میں یہ سب مقامات و درجات مچھر کے پر جتنی وقعت بھی نہیں رکھتے کہ ان میں رجوعاتِ خلق پائی جاتی ہیں۔'' (عین الفقر)

(۲) ''اے درویش! اگر تُو ہوا میں اُڑتا ہے تو تُو مکھی کے درجہ پر ہے اگر تُو پانی پر چلتا ہے تو تُو تنکے کے مرتبے پر ہے اور اگر تُو لوحِ محفوظ (جو عالمِ جبروت میں ہے) کا مطالعہ کر کے لوگوں کو اُن کی تقدیروں کا حال بتلاتا ہے تو تُو نجومی کے مرتبے پر ہے۔''

(۳) '' قطب کا مرتبہ عرش سے ۷۰ ہزار مراتب آگے ہے اور غوث کا مرتبہ اس سے بھی ۷۰ ہزار مراتب آگے ہے لیکن یہ ادنیٰ اور کمتر مراتب ہیں۔''

غوث قطب سب ارے اریرے عاشق جان اگیرے ھُو
جس منزل تے عاشق پہنچن اتھے غوث نہ پاندے پھیرے ھُو
عاشق وچ وصال دے رہندے جتھاں لامکانی ڈیرے ھُو
مَیں قربان تنہاں توں یا حضرت باھو جتھاں ذاتوں ذات بسیرے ھُو

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ تو قربِ ذات سے کم درجے کو طریقت کا کفر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(۱) یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود

(۲) کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(۳) اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

سیدنا غوث اعظم شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔ ''جسے علمِ حقیقت کے ذریعے مقامِ وصال حاصل نہیں ہوا وہ فی الحقیقت عالم نہیں ہے اگرچہ اُس نے لاکھوں کتابیں پڑھ رکھی ہوں کیوں کہ وہ روحانیت کو نہیں پہنچا ہے۔ ظاہری علوم کے ذریعے بدنی اعمال کی جزا صرف جنت الماویٰ ہے جہاں صرف صفاتِ الٰہی کا عکس ظاہر ہوتا ہے اِس لئے محض ظاہری علم حاصل کر لینے سے اِنسان حرمِ قدسی اور مقامِ قرب (مقام لاھوت) میں داخل نہیں ہو سکتا کیوں کہ عالمِ لاھوت تو عالمِ پرواز ہے جہاں دونوں بازوؤں کے بغیر نہیں اُڑا جا سکتا اور علمِ ظاہری اور علمِ باطنی ہی وہ دو بازو ہیں جن کے ذریعے عالم کو لاھوت میں پرواز نصیب ہوتی ہے۔ حدیثِ قدسی میں فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔'' یَا عَبْدِیْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَدْخُلَ حَرَمِیْ فَلَا تَلْتَفِتْ اِلَی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ لِاَنَّ الْمُلْکَ شَیْطَانُ الْعَالِمِ وَالْمَلَکُوْتَ شَیْطَانُ الْعَارِفِ وَالْجَبَرُوْتَ شَیْطَانُ الْوَاقِفِ ط مَنْ رَضِیَ بِاَحَدٍ مِنْھَا فَھُوَ مَطْرُوْدٌ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی '' ترجمہ:۔ ''اے میرے بندے

!اگر تُو میرے حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے تو عالمِ ملک ، عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت کی طرف توجہ مت کر کیونکہ عالمِ ملک شیطان (راہزن) ہے عالم کے لئے ، عالمِ ملکوت شیطان ہے عارف کے لئے اور عالمِ جبروت شیطان ہے واقف کار کے لئے ، جس نے اِن میں سے کسی ایک کو پسند کر لیا وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہو گیا۔" یعنی اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہ ہو سکا لیکن درجات (جنت الماویٰ جنت النعیم اور جنت الفردوس) سے وہ محروم نہیں کیا گیا۔ ایسے لوگ قربِ الٰہی چاہتے ہیں لیکن پا نہیں سکتے کیونکہ اُنہوں نے غیرِ حق کی آرزو اور طلب کی۔ اہلِ قرب کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی انسان کے دل نے سوچی اور وہ ہے جنتِ قرب کہ جس میں حور و قصور اور لذاتِ نعمائے بدن نہیں بلکہ صرف جمالِ الٰہی کے جلوے ہیں۔" انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی ہستی کے اندرونی معاملات کو پہچانے کیوں کہ یہاں جو کچھ حاصل ہوتا ہے اُس کے گلے سے لگا دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:-"وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ" (پارہ ۱۵، بنی اسرائیل ۱۳) ترجمہ:-" اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اُس کے گلے سے لگا دی ہے۔" لہٰذا اِنسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے اور اپنے نفس کی خاطر اُس بات کا دعویٰ نہ کرے جس کا اُسے حق نہیں پہنچتا۔ عالمِ دین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر روحِ قدسی کی نمود کرے اور مرشدِ کامل کی نگرانی میں تصورِ اسم اللہ ذات سے اُس کی تربیت کرے ، عالمِ اجساد سے نکل کر عالمِ روحانیت کی طرف بڑھے اور عالمِ سِرّ میں پہنچے کیونکہ وہاں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی دیار و امصار نہیں ہے ، وہ نور کے صحرا کی

مانند ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اِنسان روحِ قدسی کی صورت میں اُس کے اندر پرواز کرتا ہے اور اُس کے عجائب وغرائب کو دیکھتا ہے جن کا بتلانا ممکن نہیں۔ یہ مقام اُن سچے توحید پرستوں کا ہے جو اپنی ہستی کو عین وحدتِ ذات میں گم کر دیتے ہیں۔ مشاہدہِ جمالِ الٰہی کے وقت وہاں وجود کالعدم ہو جاتا ہے اور غلبہ حیرت ومحویت کے باعث اِنسان کو اپنا وجود نظر نہیں آتا۔ روحِ قدسی کے ظہور کے بعد اِنسان خلق کے سمندروں کو پار کر کے "امر" یعنی روحانیت کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ خلق کے تمام جہان عالمِ امر کے مقابلے میں ایک قطرے کی مانند ہیں۔ اِس کے بعد علومِ روحانیت اور علمِ لدنی کا فیض حروف وآواز کے بغیر جاری ہوتا ہے اور چشمِ بصیرت اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ لہٰذا اِنسان پر واجب ہے کہ اہلِ بصیرت کی موافقت اختیار کرے اور" عالمِ لاھوت "کے واقف کار ولی اللہ مرشد کی تلقین وتربیت سے دل کی آنکھ حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ووصال سے بہرہ ور ہو سکے۔" (نقل واخذ از سرالاسرار)

اساسِ عمل

فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔" لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْاط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (پ۲، البقرہ ۱۷۷) ترجمہ:۔" نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر اور انبیا پر اور اللہ کی محبت میں اپنا مال خرچ کریں اپنے قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جب کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں اور صابر رہیں سختی اور مصیبت کے وقت میں اور شدتِ جنگ (جہاد) کے وقت میں تو یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔" اِس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مطلوب و مقصود مومن کے عقیدے اور طرزِ عمل کا احاطہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔" اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کامیابی و سرخروئی کا انحصار محض قبلہ رُو ہونے پر نہیں بلکہ عقیدے کی درستی اور محبتِ الٰہی کی شدت پر ہے اور درست عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ پر، یومِ قیامت پر، فرشتوں پر، انبیا پر اور کتبِ الٰہیہ پر۔" (۱) اللہ پر ایمان یوں ہو کہ اللہ تعالیٰ واحد وحیّ قیوم ذات ہے جس کا کوئی شریک و ثانی نہیں ذات میں نہ صفات میں۔ وہ علیم و خبیر بھی ہے، سمیع و بصیر بھی ہے، قادر و قدیر بھی ہے۔ الغرض وہ ہر صفت کا مالک ہے۔ ہمارا مالک و رازق ہے۔ ہم اُس کی بارگاہِ قرب سے اُسی کی طرف سے اِس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور پھر اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے، ہر چیز اُسی کی ملکیت ہے اور اُسی ہی نے ہمیں اپنی مملکت میں تصرف بخشا ہے جس کا حساب وہ ہم سے لے گا۔ لہٰذا ہر امر میں ہمیں اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اپنی ہر غرض اور ہر طلب

کے لئے اُسی سے سوال کرنا ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی چارہ ساز نہیں البتہ مختلف امور کی چارہ سازی کے لئے اُس نے جو اسباب پیدا کئے ہیں اُن سے استفادہ حاصل کرنے یا اُن کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ رجوع بھی دراصل اُسی ذات کی طرف رجوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کی نگاہ ہر وقت اُس کی توحید پر رہے اور توحید یہ ہے کہ ہر چیز کے باطن میں ذاتِ حق کو دیکھا جائے اور ہر فعل کے پیچھے فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے، اِس کے برعکس سوچ ورویہ شرک کہلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں ظلمِ عظیم ہے کیونکہ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا کوئی وجود نہیں۔ اُس کا شریک صرف انسان کی اپنی سوچ میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی شرک کا رد فرمایا ہے انسان کی اِسی سوچ اور اِسی رویے کا رد فرمایا ہے کیونکہ فی الحقیقت تو اللہ تعالیٰ کا شریک ہے ہی نہیں اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار یہی سمجھایا ہے کہ اے انسان! تُو کیوں میرے شریک بناتا رہتا ہے؟ کبھی تُو سورج، چاند اور ستاروں جیسے اجرامِ فلکی کو میرا شریک سمجھ بیٹھتا ہے، کبھی پتھروں اور درختوں کو میرا شریک تصور کر لیتا ہے، کبھی کسی جانور کو میرا شریک سمجھ لیتا ہے، کبھی صاحبِ اقتدار لوگوں کو اور کبھی اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو میرا شریک ٹھہرا لیتا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں میری مخلوق ہیں۔ تیرے اِس رویے سے میری خدائی میں تو کوئی خلل نہیں پڑتا لیکن تُو خود بے مرکز ہو کر خسارے میں چلا جاتا ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ تُو خسارے کا شکار ہو جائے لہٰذا باز آجا اِس رویے سے۔" دراصل سب سے بڑا شرک اِنسان کا اپنی خودی یعنی" مَیں "کی پرورش کرنا ہے کیونکہ تمام برائیاں اِسی "مَیں"

کی پیداوار ہیں اور یہی "میں" ہی اپنے وقت کی فرعون ہے جو ہر وقت خدائی کا دعویٰ کرتی رہتی ہے اور اسی فرعون کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سزا دیتا چلا آیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیا میں تشریف آوری سے چند سال پہلے ابرہہ نامی ایک عیسائی سپہ سالار ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے آ پہنچا۔ اُن دنوں خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حاجی لوگ اُن بتوں کی پرستش کرکے اور ننگے بدن خانہ کعبہ کا طواف کر کے حج کیا کرتے تھے۔ جب وہ خانہ کعبہ منہدم کے لئے اپنے لاؤ لشکر سمیت آگے بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کا لشکر بھیج کر اُسے اور اُس کے لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالا مگر خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو نہ چھیڑا۔ یہ سارا واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں درج ہے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اصل دشمن اور شریک بت نہیں بلکہ انسان کا وہ رویہ ہے جس کی نمائندہ اُس کی اپنی "میں" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج کر اُس کی "میں" کو تو تباہ و برباد کر ڈالا مگر بتوں کو نہیں چھیڑا حالانکہ ابرہہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا تھا اور اُس کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار تھا لیکن تھا وہ "میں" کا پجاری۔ اگر یہ "میں" بندے کے ساتھ حرمِ کعبہ میں ہو یا کسی مسجد میں ہو، حالتِ نماز میں ہو یا حج میں ہو، بندہ مشرک ہی رہتا ہے لیکن اگر بندہ "میں" سے خالی ہو تو وہ جہاں بھی ہوگا موحد ہی ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ بندہ جب مسجد میں باجماعت نماز ادا کر رہا ہوتا ہے تو اکثر اُس کے آگے پیچھے دوسرے بندے موجود ہوتے ہیں۔ کسی کے پیچھے یہ قیام و رکوع و سجود کر رہا ہوتا ہے اور کوئی اس کے پیچھے قیام و رکوع و سجود کر رہا ہوتا ہے لیکن نہ یہ مشرک ہوتا ہے اور نہ دوسرے مشرک

ہوتے ہیں کیونکہ اُس وقت اُس کی سوچ اور اُس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک موجود نہیں ہوتا۔ نہ تو مسجد کی دیواریں اور ستون اُس کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کو ضعف پہنچاتے ہیں اور نہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں حائل ہوتا ہے کیونکہ اُس کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور وہ پکا مومن اور موحد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم جہاں بھی رہو اور جس حال میں رہو اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کے شریکوں سے پاک رکھو کہ مومن کا دل عرشِ الٰہی ہے۔ جب دل و دماغ شرک سے پاک ہوگا تو ماحول اور حالات اُسے مشرک نہ بنا سکیں گے، چاہے وہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر۔ مومن کی تو شان ہی یہ ہے کہ شرک کا ارتکاب اُس سے ہوتا ہی نہیں، وہ کبھی بھی اپنے دل و دماغ میں اللہ کے شریک کو جگہ نہیں دیتا۔ اِسی لئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔ "مجھے اپنی اُمت سے شرک کا کوئی خطرہ نہیں۔" اگر کسی آدمی کو کلمہ طیب " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پڑھ لینے کے باوجود بھی کوئی شخص یا کوئی درخت یا کوئی بت یا کوئی پتھر یا کوئی مقام یا کوئی مزار وغیرہ اللہ تعالیٰ کا شریک نظر آتا ہے تو سمجھ لیں کہ اُس نے ابھی کلمہ طیب کو سمجھا ہی نہیں اور وہ ابھی مشرک کا مشرک ہی ہے اور مشرک کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

خرد نے کہہ بھی دیا لَآ اِلٰہَ تو کیا حاصل؟ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(۲) قیامت کے دن پر ایمان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو فنا کر دینے کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ اُس دن کو اپنے مقررہ وقت پر ضرور آنا ہے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا میں گزارے ہوئے دنوں کا حساب

لے گا۔ اُن کے برے اعمال پر انہیں سزا دے گا اور نیک اعمال پر اجروثواب عطا فرمائے گا۔ گنہگاروں کو جہنم رسید کیا جائے گا اور نیکوکاروں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنت میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ پل صراط پر سے بندوں کو گزرنا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفاعت فرمائیں گے اور اُن کے بعد دیگر مقبولانِ حق بھی حسبِ مراتب شفاعت کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سعادت مند لوگوں کو حوضِ کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ روزِ قیامت کا قیام، پل صراط سے گزرنا، حوضِ کوثر سے سیرابی، روزِ قیامت کے وہ تمام احوال جو قرآن اور دوسری کتبِ الٰہیہ میں آئے ہیں یا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیائے کرام نے بیان فرمائے ہیں، سب برحق ہیں۔

(۳) فرشتوں پر ایمان لانا اس طرح ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار نوری بندے ہیں۔ اُن میں نر و مادہ کی تخصیص نہیں ہے۔ اُن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہ سب ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں لگے رہتے ہیں۔ تمام تکوینی امور وہی سرانجام دیتے ہیں۔ اُن میں سے چار فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور باقی تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ اُن کے نام اس طرح ہیں:۔ جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام۔

(۴) کتبِ الٰہیہ پر ایمان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی اصلاح و ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں۔ اُن میں سے چار بڑی کتابیں ہیں:۔ ☆ توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

پر نازل ہوئی، ☆ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، ☆ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور ☆ قرآنِ مجید جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ ان کے علاوہ پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر، دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

(۵) انبیائے کرام پر ایمان اِس طرح ہے کہ تمام انبیا اور تمام رسول اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں وہ سب کے سب معصوم ہیں یعنی ہر قسم کے گناہ اور عیبوں سے پاک ہیں۔ اُن کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اُن میں سے تین سو تیرہ (313) رسول ہیں۔ تمام انبیا اور رسول مرد ہیں، کبھی کوئی عورت نبی یا رسول نہیں ہوئی۔ سب سے آخر میں تشریف لانے والے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اُن کے بعد کوئی نبی ہوا ہے نہ ہوگا۔ وہ سب امور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ سے لائے ہیں برحق ہیں۔ جن چیزوں کے کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے اُن کا نہ کرنا گناہ اور اُن کا انکار کرنا کفر ہے۔ اِسی طرح جن باتوں کے کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے اُن کا کرنا گناہ اور اُن کے کرنے پر بضد ہونا کفر ہے۔ ایمان کے بعد محبتِ الٰہی ہی ایسی قوت ہے جو راہِ حق میں صعوبتیں اور سختیاں برداشت کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے اور انسان ہر قسم کی آزمائش سے ہنستا کھیلتا گزر جاتا ہے۔ جس دل میں محبتِ الٰہی کا جذبہ موجود ہوگا اُس دل میں کسی اور چیز کا ہونا ناممکن ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ مومن کو اپنی محبت میں جان و مال کی قربانی سے آزماتا ہے۔ وہ

دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا میری محبت کا دعویدار مومن صرف ایمان کی حد تک ٹکا رہنا چاہتا ہے یا اس سے آگے بڑھتے ہوئے عشق و محبت کی وادی میں داخل ہو کر دنیا و مافیہا کی ہر چیز کو میری محبت میں قربان کر دیتا ہے۔ لیکن عاشقانِ الٰہی "اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس" کا نعرہ لگاتے ہوئے نغمہ زن ہوتے ہیں:-

ایمان سلامت ہر کوئی منگے، عشق سلامت کوئی ھُو
منگن ایمان شرماون عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ھُو
جس منزل تے عشق پہنچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ھُو
میرا عشق سلامت رہوے باھُو ایمان نوں دیواں دھروئی ھُو

لہٰذا مندرجہ بالا آیتِ مبارک میں ایمان کے بعد محبتِ الٰہی میں مال قربان کرنے کا ذکر فرمایا کہ اگر تم دعوائے ایمان میں سچے ہو تو میری محبت میں اپنا مال خرچ کر کے دکھاؤ اپنے قریبی رشتہ داروں پر، یتیموں پر محتاجوں پر، مسافروں پر، مانگنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر۔ اس میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ مال صرف محبتِ الٰہی کی خاطر خرچ کرو نہ کہ اپنے ننگ و ناموس کی خاطر یا اپنی نمود و نمائش کی خاطر یا کسی کو زیرِ بارِ احسان کرنے کی خاطر یا اجر و ثواب کی خاطر کہ یہ سب ریاکاری اور سوداگری ہے لیکن:-

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے ۔۔۔ اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

ایمان اور محبتِ الٰہی کے بعد اعمالِ صالحہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان اور محبتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ تم میری حاکمیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے نماز کو

قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جب کسی سے عہد کرو تو اُسے پورا بھی کرو کہ اپنے وعدوں کو ایفا نہ کرنے والے میرے قرب کے قابل نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں میری راہ میں جہاد کرتے ہوئے سختی و تنگدستی پیش آجائے تو صبر اختیار کرو کہ :-

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

یاد رہے کہ صبر کی تین شرائط ہیں:-

(۱) ترکِ شکایت: یعنی راہِ حق میں جب کوئی دکھ یا تکلیف یا تنگی و سختی پیش آجائے تو اُس کا ذکر نہ تو قول سے کیا جائے اور نہ ہی فعل سے کہ ایسا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے کیوں کہ انسان پر ہر حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے۔

(۲) قبولِ قضا: یعنی راہِ حق کی ہر سختی اور تنگی کو اللہ تعالیٰ کی قضا سمجھ کر زبان پر حرفِ شکایت لائے بغیر خوشی سے قبول کر لیا جائے۔

(۳) صدق و رضا: یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے پورے صدق اور اخلاص سے کوشش کی جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہونے کے لیے یہ چار عوامل ہیں، (۱) ایمان (۲) محبتِ الٰہی (۳) اعمالِ صالحہ اور (۴) خلوصِ نیت سے جدوجہد اور صبر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

کلامِ اقبال

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُوسیاہی
تُو عرب ہو یا عجم ہو ترا لَآ اِلٰہَ اِلَّا
لغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی
گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کی راہ
حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ
اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

فقر کے معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
علم کا ''موجود'' اور، فقر کا ''موجود'' اور
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینہ مہر و ماہ

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تُو نے
گزاری عمر پستی میں مثالِ نقشِ پا تُو نے
رہا دل بستۂ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تُو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تُو نے
تعصب چھوڑ ناداں! دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تُو نے
زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تُو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل؟
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تُو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

دکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پُر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو، رلواتا ہے شبنم کو

زرا نظارہ ہی اے بوالہوس! مقصد نہیں اُس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشمِ آدم کو
اگر دیکھا بھی اُس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا؟
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اُس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اُٹھا جذبۂ خورشید سے اِک برگِ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو
پھرا کرتے نہیں مجروحِ اُلفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرہ سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

جو تُو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تُو رہنا
شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سکھایا اِس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا